عدل اجتماعی کا اسلامی تصوراور اس کی اہمیت وضرورت

☆ ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی ☆☆ ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو

عدل کا مفہوم

لفظِ عدل کے لغوی معنی ہیں: سیدھا کرنا، برابر کرنااور افراط وتفریط کے درمیان توازن قائم رکھنا۔ لسان العرب میں ہے:

"عدل: انه مستقيم وهو ضد الجور، والعدل: هوالذى لايميل به الهوىٰ ..... العدل: الحكم بالحق"(۱)۔

(عدل کے معنی ہیں: سیدھااور یہ جور کی ضد ہے، عدل: یعنی وہ جو خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا۔۔۔ عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں)

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

"العدالة والمعادلة لفظ حقيقي معنى المساواة ويستعمل باعتبار المضايفة"(۲)۔

(العدالة والمعادلة کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے، یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا)۔

امام رازیؒ عدل کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" العدل فهو عبارة عن الأمر المتوسط بين طرفي الافراط والتفريط، وذلك امرواجب الرعاية فى جميع الاشياء"(۳).

(عدل افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے سے عبارت ہے اور اس کی رعایت کرنا تمام معاملات میں ضروری ہے)۔

ابن العربیؒ کے نزدیک لفظ عدل کے اصلی معنی برابری کرنے کے ہیں، مگر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہوجاتا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر/صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ۔
☆☆ چیئرمین شعبہ "تقابل ادیان واسلامی ثقافت" سندھ یونیورسٹی، جامشورو

فالعدل بين العبد وربه ايثار حق اللّٰه على حظ نفسه وتقديم رضاه على هواه والاجتناب للزواجر والامتثال للاوامر، واماالعدل بينه وبين نفسه فمنعها عمافيه هلاكهاوعزوب الاطماع عن الاتباع ولزوم القناعة فی کل حال واماالعدل بينه وبين الخلق ففی بذل النصيحة وترک الخيانة فيما قلّ وكثر والانصاف من نفسک لهم بكل وجه ولايكون منک الیٰ احد مساءۃٌ بقول ولافعل ولافی سرّ ولافی عَلن(۴)۔

(عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضاجوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات ومحرمات سے مکمل اجتناب کرے۔ عدل کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے، وہ اس طرح کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔ اس کی ایسی خوہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لیے مضر ہوں وہ قناعت وصبر سے کام لے اور نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ عدل کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان عدل کرے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیرخواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی بھی معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے۔ کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے)۔

امام قرطبیؒ نے بھی ابن العربی کی بیان کردہ اسی تفصیل کو عمدہ اور بہتر قرار دیا ہے(۵)۔

عدل وانصاف کی اہمیت

اسلام جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، سلامتی اور امن کا دین ہے۔ سلامتی اور امن کا قیام عدل وانصاف کی اشاعت اور ظلم وتعدی کی بیخ کنی سے ہی ممکن ہے۔ اس لیے اسلام نے ہمیشہ عدل وانصاف کی اشاعت اور ظلم کے خاتمہ پر زور دیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ میں بے شمار مواقع پر انصاف کرنے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ کا ایک اہم مقصد اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان عدل کا قیام بتایا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾(۶)۔ (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں)۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن حکیم نے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا ہے:

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾(۷)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے)۔

عدل کے بارے میں نازل شدہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں کا تعلق براہ راست پیغمبر ﷺ کی ذات سے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے صحیح خلیفہ ہیں، چونکہ عدل کا قیام خلیفہ یا امیر کے توسط سے ہوتا ہے، اس لیے ان آیات کا انتخاب یہ بتاتا ہے کہ عدل کا قیام مقصدِ نبوت ہے، مگر اس کی ترویج خلیفہ یا امیر المومنین کے ذریعے ہوگی ۔عدل کا متضاد لفظ ظلم ہے، جس کے معنی ہیں ''وضع الشیء فی غیر موضعه'' (۸)۔یعنی کسی چیز کا اس کے اصلی مقام سے دوسری جگہ رکھنا۔ ایسا کام صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو ہدایت کے نور سے بے بہرہ ہوکر گمراہی کے اندھیرے میں بھٹک رہا ہو۔ اس لیے ظلم کا ایک ترجمہ اندھیرا بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں فرمایا: ''الظُّلْمُ ظُلُماتٌ یوْمَ الْقِیامَةِ'' (۹)۔

(ظلم قیامت کے دن کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے)۔

اسلام ظلم کو اس کی ادنیٰ ترین شکل میں بھی گوارا نہیں کرتا اور اس کا خاتمہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں نقل فرمایا ہے:

''یاعِبادی! إِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نفسی و جَعَلْتُهُ بینکُمْ مُحرَّماً فلاتظالموها (۱۰)۔

(اے میرے بندو! میں نے کسی پر ظلم کرنا اپنی ذات کے لیے بھی حرام کردیا ہے اور اس کا ارتکاب کرنا تمہارے درمیان بھی حرام ٹھہرادیا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو)۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاۃ طیبہ میں عدل قائم کیا اور ظلم کا خاتمہ کیا اور امت مسلمہ کو یہ سبق ہمیشہ کے لیے سکھایا کہ اس کی تمام جدوجہد اور قربانیوں کا مقصد مخلوق خدا کو دنیا کے نظاموں کے ظلم سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف لانا ہے۔یہی وہ درس تھا جس کا اعادہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایران کے بادشاہ یزدجر کے دربار میں بے باکانہ کردیا، یہ وہاں سفیر بن کر گئے تھے:

''اللّٰه ابتعثنا لنخرج من شآء من عبادة العباد الی عبادة اللّٰه ومن ضیق الدنیا إلی سعتها ومن جور الأدیان إلی عدل الاسلام'' (۱۱)۔

(اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہی اس لیے ہے کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں داخل کردیں۔ انہیں دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت میں لے جائیں اور مختلف ادیان اور نظاموں کے ظلم سے چھڑا کر اسلام کے عدل کی طرف پھیردیں)۔

قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ کی تعلیمات کے تناظر میں یہ بات واضح ہے کہ عدل کا دائرہ وسیع ہے

جو زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے، تاہم علماء بنیادی طور پر عدل کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک انفرادی عدل اور دوسرا اجتماعی عدل۔

ا۔ انفرادی عدل

وہ عدل جو خاص فرد، یا شخص کی صفت بنتا ہے، انفرادی یا شخصی عدل کہلاتا ہے۔اسی طرح ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دینا، افراد اور اشخاص کا عدل کہلاتا ہے۔اس لئے کہ جب ہر شخص اپنی جماعت کا ایک فرد ہے، تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جماعت کی خیر و خوبی میں سے اپنے حصہ کے مطابق فائدہ اٹھائے۔لہذا انسان کا ٹھیک ٹھیک اپنے حصہ کو لینے اور بغیر کمی کے ٹھیک ٹھیک دوسروں کے حقوق کو ادا کرنے کا نام عدل یا انصاف ہے۔

انفرادی عدل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنی انفرادی زندگی میں ہر کام میں اعتدال پیدا کرے، صحت کی بقاء کے لئے کھانے پینے اور دوسرے امور میں اعتدال ضروری ہے۔اسی طرح روحانی زندگی میں بھی اعتدال ضروری ہے۔اسلام دنیاوی معاملات اور عبادات کے درمیان بھی توازن قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔احادیث اور سیرت رسول ﷺ سے ایسی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک اقوال و اعمال کے ذریعے عبادات و معاملات میں عدل و توازن کے قیام کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

> (جب تین اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت میں سے ایک نے یہ عہد کیا کہ ساری رات عبادت کیا کروں گا، سو یا نہیں کروں گا۔دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ نکاح نہیں کروں گا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے روکا اور فرمایا کہ میں رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے، پھر فرمایا کہ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں) (۱۲)۔

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو (دیکھا) کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی ہے۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے۔جب وہ (عبادت کرتے کرتے) تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں (تاکہ سستی دور ہو جائے)۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو کھول دو! تم میں سے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اس وقت نماز پڑھے جب وہ فرحت و نشاط محسوس کرے، جب سست ہو جائے (تھک جائے) تو وہ سو جائے (۱۳)۔

عبادت اور دینوی معمولات کو ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو چلانے کا یہ انداز کسی اور مذہب میں نہیں ہے، دین اسلام کی میانہ روی میں سے ہے کہ آدمی دین و دنیا کو متوازن انداز میں اختیار کر سکتا ہے، ہر صاحب حق

کو اس کا حق دیتا ہے، نہ عبادت میں حد سے آگے بڑھتا ہے کہ بندہ جان اس میں ضائع کرے اور دوسروں پر بوجھ بن کر زندگی گزارے اور جن افراد کے حقوق اس کے ذمے واجب ہیں، مثلاً: بیوی، والد اور والدہ۔ ان کو ضائع کرے اور نہ ہی دنیا کو دین پر فوقیت دے کر صرف مال کا بندہ بن کر رہ جائے، کہ نہ اپنے رب کو پہچانے اور نہ اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

۲۔ عدل اجتماعی کا اسلامی تصور و اہمیت

عدل اجتماعی کا مفہوم مغرب کے سیاسی فلسفے میں مبہم اور غیر واضح ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے ہاں اس کے مختلف معنی لیے جاتے ہیں۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ چونکہ پیدائش کے اعتبار سے تمام لوگ برابر ہیں۔ لہٰذا سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہئے۔ بعض مفکرین عدل اجتماعی کو معاشی مساوات کا نام دیتے ہیں، جبکہ ایک طبقہ کے نزدیک تمام شہریوں کو یکساں مواقع فراہم کرنا عدل اجتماعی ہے۔ اسلام کی نظر میں عدل اجتماعی کسی ایک پہلو تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کی وسعت کا دائرہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس میں سماجی برابری، معاشی انصاف، سیاسی آزادی اور مذہبی رواداری سب کچھ شامل ہے۔ عبادت و کاروبار، عقیدہ و عمل، روحانیت و مادیت، سیاست و معیشت اور دنیا و آخرت، غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے درمیان حقوق و فرائض کا ایک خوبصورت توازن پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کا عدل اجتماعی صرف معاشی مساوات کا نام نہیں، بلکہ جامع اور ہمہ گیر انسانی عدل ہے، وہ فرد کے نجی مسائل سے لے کر اجتماعی مسائل تک، دنیا سے لے کر آخرت تک اور جسم سے لے کر روح تک کے جملہ مسائل سے بخوبی نبرد آزما ہوتا ہے۔ گویا عدل اجتماعی مرکب ہے ہر شعبہ زندگی کے عدل سے، اسلام ان تمام شعبوں میں مکمل عدل و انصاف کا خواہاں ہے اور یہی عدل و انصاف مل کر عدل اجتماعی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ عدل اجتماعی کے اہم شعبے حسب ذیل ہیں:

۱۔ سماجی عدل ۲۔ اقتصادی عدل ۳۔ قانونی عدل

۱۔ سماجی عدل

اس سے مراد وہ عدل ہے جس کا اثر سوسائٹی یا معاشرے پر پڑتا ہے۔ اجتماعی عدل کے ضمن میں سب سے پہلا مقام معاشرتی عدل کا ہے۔ مساوات اور احترام انسانیت اسلامی معاشرے کا وہ امتیاز ہے جس کی نظیر ساتویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک کی تاریخ میں کوئی اور مذہب یا تمدن پیش نہیں کر سکتا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق کا جو چارٹر عطا کیا گیا، اس میں فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا:

''تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا'' (۱۴)۔

ایک اور مقام پر نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سفید کو سیاہ پر اور سیاہ کو سفید پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے بجز تقویٰ کے''(۱۵)۔

جبکہ متعدد احادیث میں یہ ارشاد موجود ہے:

"کونوا عبادا للّٰہ اخوانا" (۱۶)۔

(اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ)۔

ایک اور جگہ پوری انسانیت کو عیال اللہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

''ساری مخلوق اللہ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے، اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے''(۱۷)۔

یہ انسانی مساوات کا وہ عالمی اصول تھا جس پر حضور نبی کریم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ یہی اصول آگے چل کر عالمی جمہوریت کے قیام کا باعث بنا۔ محسن انسانیت نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے اس اعلان سے غیر مسلم دانشور، مؤرخین اور سیرت نگار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہیں اعتراف حقیقت کرنا ہی پڑا۔ ہندو دانشور راما کرشنا راؤ کو پیغمبر اسلام ﷺ کی اس مقدس تعلیم نے بہت متاثر کیا، لہذا اسے یہ کہنا پڑا:

''عالمی برادری اور انسانی مساوات کے جو اصول نبی اکرم ﷺ نے پیش کیے، انہوں نے انسانیت کو معاشرتی طور پر سربلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تمام عظیم مذاہب نے اسی نظریے کو پیش کیا ہے، لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے اس نظریے کو حقیقی طور پر عملی جامہ پہنایا۔ اس کی حقیقی قدر و قیمت شاید آئندہ کبھی جب عالمی ضمیر بیدار ہو، نسلی تعصب ختم ہو جائیں اور انسانی برادری کا مضبوط تر تصور وجود میں آجائے، تسلیم کیا جائے''(۱۸)۔

اسی طرح ہندوستان کی ایک عظیم شاعرہ سروجنی نائیڈو کہتی ہے:

''میں اسلام کی اس ناقابل تقسیم وحدت سے بہت متاثر ہوں کہ دائرہ اسلام میں شامل ہونے والے جبلی طور پر ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے ہیں، چاہے وہ مصری ہوں، الجزائری ہوں، ہندوستانی ہوں یا لندن میں رہنے والے ترک ہوں''(۱۹)۔

نبی اکرم ﷺ کے اسلامی اخوت کے اعلان کی بدولت اسلامی امہ کی عالمگیر برادری قائم ہوئی اور صہیب رومی، سلمان فارسی، بلال حبشی اور علی المرتضی قریشی رضی اللہ عنہم ایک ہی صف میں نظر آئے۔ اس تعلیم کی بدولت

نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات ختم ہوگئے، محبت، اخوت اور یگانگت پر مبنی عالمگیر برادری کا قیام عمل میں آیا، آقا وغلام ایک نظر آئے، ایک حبشی تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت سے مالامال ہونے کی بنا پر قریشی سردار سے زیادہ معزز ٹھہرا اور غلام عالمگیر برادری کی امامت و بادشاہت کے لائق قرار پایا۔ نوع انسانی کی قطعی اور مکمل مساوات اور وحدت کا یہ عظیم الشان اعلان ہے، جس نے قوم پرستی اور نسل پرستی کی رگِ گردن کاٹ دی۔

آج دنیا ایسی عالمگیر برادری کی متلاشی ہے، جس میں آدمی کے درمیان امتیاز نہ رہے، نسل اور رنگ کا فرق نہ رہے، امیر و غریب، حاکم و محکوم اور شاہ و گدا سب کو یکساں حقوق و مراعات حاصل ہوں، ایسے معاشرے کی تلاش و جستجو میں ہے جس میں تمام انسانوں میں اخوت اور بھائی چارگی کا قیام عمل میں آئے، تمام انسانوں میں اتفاق و اتحاد، امن و دوستی، رواداری و صلح قائم رہے اور کوئی فرد کسی کے حقوق پامال نہ کر سکے۔ اس سلسلہ میں اقوام عالم کو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی، جو سرتاپا انسانیت کی رہنما اور فطرت انسانی کی ترجمان ہیں۔ آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ لوگوں کو مساوات اور بھائی چارے کی تعلیم دی، بلکہ سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، اگر دوسرے مسلمان عام سپاہی کی حیثیت میں مدینہ طیبہ کے دفاع میں خندق کھودنے کی مشقت برداشت کر رہے تھے، تو ان کا امیر ﷺ صرف قیادت و نگرانی کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تھا، بلکہ بنفس نفیس کدال ہاتھ میں لے کر خندق کھودنے میں شریک تھا (۲۰)۔

غزوہ خندق کے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد محمد سعید رمضان بوطی لکھتے ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خندق کھودنے کا جو منظر ہم نے پیش کیا ہے، اس سے ایک عظیم الشان درس حاصل ہوتا ہے، اس سے اس مساوات کی حقیقت عیاں ہوتی ہے جسے اسلامی معاشرہ اپنے تمام افراد کے درمیان راسخ کرنا چاہتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ عدل و مساوات کی حیثیت اسلامی قدروں میں محض کھوکھلے نعروں کی سی نہیں ہے اور نہ زرق برق یا زی علامات کی سی ہے، جن کی وجہ سے معاشرہ کا ظاہر خوش نما معلوم ہو، بلکہ عدل و مساوات وہ حقیقی بنیاد ہے جس سے معاشرے کے ظاہر اور باطن دونوں میں اسلامی اقدار اور اصول صادر ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا کہ مسلمانوں کو تو خندق کھودنے کا حکم دے دیا اور خود عیش و آرام کے ساتھ ان کی نگرانی کے لیے اپنے ''قصر شاہی'' میں چلے گئے ہوں اور نہ آپ ﷺ نے ایسا کیا کہ ایک عظیم الشان جلوس کی شکل میں تشریف لائے ہوں، کسی کام کرنے والے کی کدال اپنے ہاتھ میں لے کر ایک بار زمین پر ماری ہو اور اس طرح کام شروع ہو جانے کا اعلان ہو گیا ہو اور علامتی طور پر اس میں آپ ﷺ کی بھی شرکت ہو گئی ہو، پھر آپ ﷺ نے کدال زمین پر ڈال دی ہو اور اپنے خوش نما لباس پر آجانے والی معمولی گرد کو جھاڑتے ہوئے واپس چلے گئے

ہوں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح خود بھی اس کام میں شریک رہے۔ آپ ﷺ کا جسم اطہر مٹی اور گرد وغبار سے اٹ گیا، مگر آپ ﷺ اپنے ساتھیوں اور بھائیوں سے الگ نہیں ہوئے، وہ لوگ ایک دوسرے کو حوصلہ دینے کے لیے رجز پڑھتے تو ان کے ساتھ آپ ﷺ بھی رجز پڑھتے، ان لوگوں کو تھکن اور بھوک کا احساس ہوتا تو ان میں سرفہرست آپ ﷺ بھی تھے۔ یہ ہے اس مساوات کی حقیقت جو اسلامی شریعت نے حاکم ومحکوم، امیر وغریب اور محتاج ورئیس کے درمیان قائم کی ہے، آپ احکام شریعت کی کوئی ایسی شق نہ پائیں گے، جو اس بنیاد پر قائم نہ ہو اور جس میں اس حق کی ضمانت نہ دی گئی ہو"(۲۱)۔

اسی عدل اجتماعی کی ایک اور مثال وہ رشتہ مؤاخات ہے، جسے ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان قائم فرمایا تھا(۲۲)۔

اس رشتہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے محمد الغزالی لکھتے ہیں:

"دوسرا اہم معاملہ امت کے افراد کے درمیان باہمی تعلق کا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی بنیاد ایسی اخوت پر رکھی جس میں انا کا کہیں گذر ہی نہ ہو اور فرد جماعت کی روح اور اس کے مفادات اور آرزوؤں کے دائرے میں سرگرم رہے، خود اپنے نفس کو جماعت کا ایک حصہ سمجھے اور بس۔ اس اخوت کا مطلب تھا کہ جاہلیت کے تمام تعصبات زائل ہوجائیں اور صرف اسلام کے لیے حمیت باقی رہے، نسب، رنگ اور علاقہ کی تمیزیں ختم ہوجائیں اور وزن صرف فرد کی پرہیزگاری وجانثاری اور مردانگی کا رہ جائے"(۲۳)۔

اس رشتہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے محمد سعید رمضان بوطی لکھتے ہیں:

"اتخذ رسول اللّٰہ ﷺ من حقيقة التاخي الذى اقامه بين المهاجرين والانصار أساساً لمبادئ هذه العدالة فيما بعد بشكل أحكام وقوانين شرعية ملزمة، ولكنها كلا إنما تأسست وقامت على تلك (الأرضية) الأولىٰ، ألا وهى الأخوة الاسلاميه"(۲۴)۔

(رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کو اس عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد بنایا، جس کے نفاذ پر دنیا کا سب سے عظیم اور بے مثال معاشرتی نظام وجود میں آیا، اس عدل کے اصولوں نے بعد میں ترقی کرکے لازمی شرعی احکام وقوانین کی شکل اختیار کرلی، لیکن یہ سب اسی اولین بنیاد یعنی اسلامی اخوت پر قائم تھے)۔

اسی طرح عدل وانصاف پر مبنی نظام کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ قیامت برپا نہ ہوگی، یہاں تک کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے تن تنہا نکلے گی اور بیت اللہ کا طواف کرے گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہ حجاز سے عراق تک کا سفر امن وسلامتی کے ساتھ کرے گی اور اسے کوئی خوف لاحق نہ ہوگا۔ عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا کہ ایک عورت تنہا چلی اور کوئی اس کو چھیڑنے والا اور نگاہ اٹھا کر دیکھنے والا نہ تھا۔ امن وانصاف کا یہ دور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا (۲۵)۔

عائلی زندگی معاشرتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے۔ اسلام میں عائلی زندگی سے متعلق بھی عدل وانصاف پر مبنی تعلیمات موجود ہیں۔ عائلی زندگی میں عدل وانصاف کی سب سے زیادہ ضرورت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (۲۶)۔

(اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر بس کرو، یا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک ہو)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اس صورت میں جائز اور مناسب ہے، جبکہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کرسکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے۔ رسول کریم ﷺ نے سب بیویوں کے درمیان پوری مساوات وعدل کی سخت تاکید فرمائی ہے اور اس کے خلاف کرنے پر سخت وعید سنائی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من كانت له امرأتان فمال الىٰ احداهما جآء يوم القيٰمة وشقه مائل" (۲۷)۔

(جس شخص کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے حقوق میں برابری اور انصاف نہ کرسکے، تو وہ قیامت میں اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا)۔

عدل وانصاف کے اس پہلو کو نبی کریم ﷺ نے اپنے قول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل کے ذریعے بھی واضح فرمایا ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ان معاملات میں بھی مساوات فرماتے تھے، جن میں مساوات لازم نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک سے زائد نکاح کئے اور تمام ازواج سے مثالی سلوک کیا، آپ ﷺ کے کاشانہ اقدس میں بیک وقت مختلف مزاج، مختلف حیثیت اور مختلف عمر کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن تھیں۔ ان میں عرب کے سرداروں کی بیٹیاں بھی تھیں، غریب ونادار لڑکیاں بھی، صاحب حسن وجمال بھی تھیں اور صاحب کمال بھی، زیادہ

عمر والیاں بھی تھیں اور کم عمر والیاں بھی، تیز مزاج بھی تھیں اور صبر وتحمل والیاں بھی۔ لیکن آپ ﷺ نے سب کے حقوق ادا کیے اور سب سے یکساں مہر ومحبت کا برتاؤ رکھا۔

عورتوں کی طرح یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بھی عدل وانصاف کی ضرورت ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ (۲۸)۔

(اور [خاص کر] یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو)

انسانی معاشروں میں کمزور طبقات کے ساتھ عام طور پر ظلم روا رکھا جاتا ہے، بالخصوص عورتیں اور یتیم اس کا خاص نشانہ بنتے ہیں۔ ان کو جائیدادوں میں ان کے شرعی حق سے محروم رکھا جاتا ہے، بلکہ ان کی جائیدادوں کو ہتھیا لیا جاتا ہے اور ان سے ہر طرح کی بدسلوکی روا رکھی جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے نبی کریم ﷺ نے سخت وعید بیان فرمائی ہے، ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُحَرِّجُ حقَّ الضَعِيْفَيْنِ الْيَتِيم وَالمرْأة(۲۹)۔

(اے اللہ میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں ایک یتیم اور دوسری عورت)۔

نبی اکرم ﷺ کی محبت وشفقت کا سلوک خصوصی طور پر انسانوں کے ان طبقات سے واضح طور پر نظر آتا ہے جو کمزور اور استحصال کا شکار تھے۔ آپ ﷺ نے جس دور میں اپنی دعوت کا آغاز کیا، اس میں انسان بھیڑ بکریوں کی طرح بکتے تھے۔ غلاموں اور باندیوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان سے ناروا سلوک ہوتا، ان کو اذیتیں دی جاتیں، ان کی تحقیر ہوتی۔ غرض اس معاشرے میں ان کا کوئی مقام ہی نہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور اپنے طرز عمل سے غلاموں کو بہتر مقام عطا کیا۔ غلاموں کے بارے میں جب کبھی نبی اکرم ﷺ کے پاس شکایت پہنچی، تو آپ ﷺ نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیتے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے پاس دو غلام تھے، جن سے انہیں ہمیشہ شکایت رہتی تھی۔ وہ ان کو برا بھلا کہتے اور مارتے بھی، لیکن ان کے رویے میں فرق نہ آتا۔ اس نے رسول اکرم ﷺ کے پاس شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہوگی، اس کے برابر تمہیں سزا ملے گی'' یہ سن کر وہ شخص پریشان ہوگیا اور گریہ وزاری شروع کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا جس میں آیا ہے ﴿وَنَضَعُ الْموازِيْنَ الْقِسط﴾(۳۰)۔ (اور ہم قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے)، یہ سن کر اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بہتر یہ ہے کہ میں ان کو الگ کردوں، آپ ﷺ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں'' (۳۱)

۲۔ معاشی عدل

اجتماعی عدل کا ایک اہم شعبہ معاشی عدل وانصاف بھی ہے۔ معاشی عدل سے مراد وہ لائحہ عمل ہے جس کے تحت ملک کے ہر فرد کو قومی دولت سے برابر استفادے کا موقعہ میسر ہو اور ایسے اصول وضع کردئے جائیں، جن کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہوسکے۔ کسی بھی معاشرے کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اس میں معاشی عدل کا پایا جانا لازمی حصہ ہے۔ اسلام اس معاشی عدل کی مکمل ضمانت فراہم کرتا ہے۔ وہ ایک طرف سماجی برائیوں کا انسداد، سیاسی استحکام اور معاشرتی انصاف کے قیام پر زور دیتا ہے تو دوسری طرف ایسے عادلانہ اور متوازن اقتصادی اصول بھی دیتا ہے، جن سے معاشرے کا معاشی نظام صالح بنیادوں پر استوار ہوسکے۔ اس معاشی انصاف کے لیے بنیادی طور پر اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر فرد کو مساوی مواقع روزگار مہیا ہوں۔ کسی بھی شخص سے کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے، جو لوگ جس قدر صلاحیتوں کے مالک ہوں گے، اسی اعتبار سے زندگی کی جدوجہد میں بھی درجات کا فرق پایا جائے گا، لیکن یہ فرق فطری ہوگا اور اس کو بھی کم سے کم تر کرنے کے لیے اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾(۳۲)۔

(ایسا نہ ہو کہ [یہ مال ودولت] تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے)۔

اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تؤخذُ من اغنياء هم فنرد على فقراء هم''(۳۳)۔

(ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کردی جائے گی)۔

اسلام نے جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت میں بھی دوسروں کا حصہ رکھا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾(۳۴)۔

(اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق ہے)۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''أقسم المال بين اهل الفرائض علىٰ كتاب الله''(۳۵)۔

(اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کیا گیا ہے)۔

اسلام نے اجتماعی مفاد کے لیے جائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کو تقسیم کرنے کے لیے درج ذیل

صورتیں تجویز کی ہیں:

۱۔ زکوٰۃ	۲۔ صدقات واجبہ	۳۔ انفاق
۴۔ قانون وراثت	۵۔ زکوٰۃ کے سوا حق	۶۔ العفو۔

معاشرے کے اجتماعی مفاد کی خاطر اسلام میں اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ ضروریات زندگی کو روک رکھا جائے، تاکہ ان کے دام بڑھ جائیں اور اس طرح سے منافع میں اضافہ ہو، ذخیرہ اندوزی اور احتکار کو اسلام نے سختی سے منع کیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

۱۔ عن عُمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ، قالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ احتکرَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ طَعَامًا ضَرَبَہُ اللّٰہُ بالجذامِ والافلاس(۳۶)۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس نے مسلمانوں پر کھانے کی چیزوں میں زخیرہ اندوزی کی، تو اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور تنگ دستی میں مبتلا کرے گا)۔

۲۔ عَنْ عُمَر بن الخَطَّاب قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الجالِبُ مرزوقٌ والمحتکر ملعُونٌ(۳۷)۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جالب [جلب کرنے والا یعنی باہر سے مال لانے والے] کو روزی دیا جائے گا [اس کو نفع ہوگا، برکت ہوگی] اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے)۔

زیادہ نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ اپنے فروختنی مال کو جلد از جلد فروخت کر کے اسی رقم سے نیا مال خرید کر پھر فروخت کرتے جائیں، اور ایک سال کئی بار یہ چکر چلتا رہے، یہ صورت شرعی نقطہ نظر سے پسندیدہ اور ملکی معیشت کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ دوسری صورت ذخیرہ اندوزی ہے جو مذموم بھی ہے، اور ملکی معیشت پر تباہ کن اثرات کی حامل بھی، اسی لئے حضور ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی مذمت فرمائی ہے۔

۳۔ عن معمر بن عبد اللّٰہ بن نضلَۃَ قالَ قَالَ رَسُوْل اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لاَ یحتکِرُ اِلاَّ خاطِیءٌ(۳۸)۔

(معمر بن عبد اللہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: احتکار نہیں کرتا مگر وہی جو گنہگار ہو)۔

۴۔ وعن ابی اَمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احتکَرَ طَعَامًا اربَعِیْنَ یومًا ثُمَّ تَصدَّق بِہٖ لَمْ یَکُنْ لَہٗ کَفَّارَۃً(۳۹)۔

(حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے گران فروشی کی نیت سے غلّہ کو چالیس روز تک روکے رکھا اور پھر اسے خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو وہ اس کے لئے باعث ثواب نہیں ہوگا)۔

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ سماجی فلاح کی ایک سکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعے ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے، جس کا کوئی وارث نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں، اس کی ریاست ولی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: "السلطان ولی من لاولی لہ"(۴۰)۔

(حکومت ہر اس شخص کا دست گیر و مددگار ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو)

ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔ ارشاد نبوی ہے:

وَمَن ترکَ مالاً فِلاھْلِہٖ ومن ترک دیناً اَوْضیاعاً فَاِلَیّ وعلیَّ(۴۱)۔

(اور جو شخص مال چھوڑ جائے پس وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے اور جو قرض یا محتاج اہل وعیال چھوڑ کر جائے تو [قرض کی ادائیگی] میرے ذمہ داری اور [بچوں کی نگرانی کا فریضہ] مجھ پر ہے)۔

اس حدیث میں یتیموں اور ضرورت مندوں کی کفالت کو حکومت وقت کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

عن عمرو بن مرّۃ انّہ قال لمعاویۃ رضی اللہ عنہ انّی سمعتُ رسول اللہ ﷺ یقول مامن امامٍ یغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ وَالخلۃ والمسکنۃ اِلّا اغلق اللّٰہ ابواب السّمآء دون خلتہ ومسکنتہ فجعل معاویۃرضی اللہ عنہ رجلاً علیٰ حوائج النّاس (۴۲)۔

(حضرت عمرو بن مرۃ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے

آنحضرت ﷺ سے سنا کہ اگر کوئی حاکم اپنی رعایا کے حاجتمندوں، محتاجوں اور مسکینوں کے لیے اپنے دروازے بند کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات، ضروریات اور فقر کو دور کرنے سے پہلے آسمانوں کے دروازے بند کر دیتے ہیں، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت ایک شخص کو لوگوں کی ضروریات سے مطلع کرنے کے لیے مقرر کر دیا)۔

ایک خاوند پر اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کرنا بھی لازم ہے، حتی کہ اگر شوہر خرچ کرے تو بیوی اس کی اجازت کے بغیر بھی اپنا نفقہ لے سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ بہت احتیاط پسند ہے، وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتے جو میری اور میرے بچوں کی کفالت کر سکے، البتہ میں ان کے مال سے لے لوں اور انہیں خبر ہی نہ ہو، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خُذی مایکفیکِ وولدکِ بالمعروف"(۴۳)۔

(ہاں اپنا مال لے لیا کرو جو تیرے اور تیرے بچوں کی کفالت کے لیے کافی ہو)۔

اسی طرح ہمسایوں کے ساتھ معاشی انصاف کی تلقین میں انتہائی حد تک وصیت فرمائی:

"لیس المؤمن الذی یشبع وجارہ جائعٌ"(۴۴)۔

(وہ ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا جو خود پیٹ بھر کر کھائے مگر اس کا ہمسایہ بھوکا رہے)۔

بیوگان اور محتاجوں سے معاشی انصاف کی ترغیب ان الفاظ میں دی گئی:

"الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ کالّذی یصوم النھار ویقوم اللّیل"(۴۵)۔

(بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا ثواب میں اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے یا اس شخص کی مانند ہے، جو دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے)۔

نبی کریم ﷺ نے دنیا کی پہلی فلاحی اور خادم خلق ریاست جو ریاست مدینہ کی شکل میں بنائی تھی، اس کی معاشی پالیسی عدل وانصاف پر مبنی تھی، نبی کریم ﷺ نے معاشی انصاف قائم کرنے کے لئے ایسا انتظام فرمایا کہ دولت کا بہاؤ غلط ذرائع سے کسی خاص سمت میں چل پڑے اور نہ جائز ذرائع سے آئی ہوئی دولت کہیں ایک جگہ سمٹ کر بے کار رکی رہ جائے۔اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ انتظام بھی فرمایا کہ دولت زیادہ سے زیادہ استعمال ہو اور گردش میں رہے، تاکہ دولت کی گردش سے بالخصوص ان عناصر کو بھی حصہ ملے جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنا مناسب حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے معاشی انصاف قائم کرنے کے لئے قانون اور ریاست کی مداخلت پر زیادہ انحصار نہیں کیا، چند ناگزیر تدابیر کو ریاست کی ذمہ داری قرار دینے کے بعد آپ ﷺ نے اس مقصد کے لئے اپنی بقیہ تدابیر کا نفاذ افراد کی ذہنی واخلاقی تربیت اور معاشرے کی اصلاح کے ذریعے سے کیا، تاکہ آزاد جدوجہد کی معیشت کے منطقی تقاضوں کو برقرار رکھتے ہوئے معاشی انصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں اور معیشت کے مطلوبہ مقاصد بھی حاصل ہوجائیں۔

معاشی عدل کے حوالے سے محمد عربی ﷺ کے پیدا کردہ معاشی نظام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے طبقاتی کشمکش کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا، محمد عربی ﷺ نے معاشرے کے مختلف عناصر میں طبقاتی کشمکش کو مصنوعی طریقوں سے ختم کرنے کے بجائے اس کے اسباب کو ختم کرکے ان عناصر کے درمیان تعاون اور رفاقت کی وہ روح پیدا فرمائی جو طبقاتی کشمکش کو پنپنے ہی نہیں دیتی۔ انسانی تاریخ میں طبقاتی کشمکش کے خاتمے کی ایسی مثال شاذ ونادر ہی نظر آتی ہے۔

مدینے میں زکوٰۃ، صدقات نافلہ، مساکین وفقراء اور رشتہ داروں کی امداد، وراثت، وصیت، وقف، ہبہ جیسے خالص معاشی تصور کے ذریعے اونچ نیچ اور معاشی طبقہ واریت کو ختم کردیا گیا، اور آخر میں قل العفو کا نظام یعنی ضروریات سے زائد ہر چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم نازل ہوا۔ اس طرح دولت کا بہاؤ بارش کے پانی کی طرح اوپر کے طبقوں سے نچلے طبقوں کی طرف ہوا، جس طرح بارش کا پانی کہیں جمع ہوجائے اور اس کی روانی رک جائے، تو نتیجے میں سڑکر گندگی اور بدبو پھیلاتا ہے۔ اسی طرح مکے کے طبقاتی معاشرے میں اخلاقی اور سماجی برائیوں کی موجودگی کا حال معلوم ہوچکا تھا۔ مدینہ منورہ میں دولت کو چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکا گیا۔ جس طرح طبعی جسم میں ہر جگہ دوران خون ہونا ضروری ہے، کسی ایک عضو میں اس کی ضرورت سے زیادہ خون کا جمع ہوجانا دوسرے اعضاء کی کمزوری اور خود اس عضو کے ناکارہ ہونے کا سبب بنتا ہے، اسی طرح دولت کی گردش اوپر سے نیچے کے بجائے محض دولت مندوں میں رہنے سے نچلے طبقے نشوونما سے محروم اور اونچے طبقے معاشرے کے لئے گندے اور ناکارہ عضو بن جاتے ہیں۔ مدنی معاشرے میں دولت کی تقسیم کے ان اصولوں نے وہ اخلاقی اور سماجی برائیاں پیدا ہونے نہ دیں، جو مکے کے طبقاتی معاشرے میں پائی جاتی تھیں۔

عام معاملات میں عدل وانصاف کی سب سے زیادہ ضرورت روزانہ کی خرید وفروخت میں وزن وپیمانہ میں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾(۴۶)۔

(اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کرو اور پوری پوری تول)۔

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں بار بار اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ ناپ تول میں بے انصافی نہ کی

جائے، کیونکہ خرید وفروخت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے، اس لیے وزن و پیمانہ میں کمی کرنے سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ نہایت عام و وسیع ہے۔ اس کے ساتھ نہایت حقیر مقدار میں کمی کرنے سے انسان کی سخت دنائت ثابت ہوتی ہے اور اس سے روح میں سخت اخلاقی گندگی پیدا ہوتی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ o اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ o وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ (۴۷)۔

(ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"لما قدم النبیّ ﷺ المدینة کانوا من اخبث النّاس کیلاً فانزل اللّٰه وَیْلٌ لِلْمُطَفِّفِیْنَ فاحسنو الکیل" (۴۸)۔

(جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ناپ تول میں سب سے زیادہ برے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے سورہ مطففین نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی حالت کو درست کر لیا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم ﷺ کے ساتھ بازار گیا، آپ ﷺ بزاز کی دکان پر گئے جہاں ایک شخص وزن کرنے کے لیے مقرر تھا، آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا:

"زِنْ وَارْجِحْ" (۴۹)۔ یعنی ٹھیک تولا کرا اور وزن والا پلڑا کچھ جھکنے دیا کرو۔

نبی کریم ﷺ نے تجار کو ناپ تول کی کمی کے عذاب اور انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّکُمْ قد وُلِّیْتُمْ أمرین هلکت فیها الأمم السابقة قبلکم" (۵۰)۔

(یقیناً تمہیں دو ایسے کاموں کی نگرانی سونپی گئی ہے جنہوں نے تم سے پہلی قوموں کو ہلاک کر دیا [یعنی ناپ تول کی کمی کر کے ہلاک ہوگئے])۔

جس طرح ناپ تول میں کمی کرنے پر سخت وعید مذکور ہیں، اسی طرح فروخت ہونے والی اشیاء میں ملاوٹ کرنے کا گناہ بھی بہت شدید ہے۔ اشیاء میں ملاوٹ کرنے کا نقصان ناپ تول میں کمی کرنے کے نقصان سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ اس میں مالی خسارے کے ساتھ ساتھ جسمانی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لیے نبی

کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "منْ غَشَّ فَلیس منّا"(۵۱)۔

(جس نے ملاوٹ کر کے ہمیں کچھ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

اس طرح نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے بیچنے کی خاطر دودھ میں پانی ملانے سے منع فرمایا(۵۲)۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دودھ میں پانی ڈال کر بیچتے دیکھا تو اس کا دودھ اسی پر انڈیل دیا(۵۳)۔

الغرض یہ اسلام کی وہ عادلانہ اور حکیمانہ تعلیمات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک معاشرہ کے تمام افراد معاشی عدل وانصاف کی برکات حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۔ قانونی عدل

عدل وانصاف کی ضرورت خاص طور سے عدالتی معاملات میں ہوتی ہے۔ عدل کی وجہ سے مملکت کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ عدل قلبی طاقت کا شاہکار ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، جانوں کو امان ملتی ہے، استحکام آتا ہے اور دشمن سے پناہ مل جاتی ہے۔ عدل وانصاف کا بلند ترین درجہ لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا اور انہیں روحانی ورپر اونچا کرنا ہے اور انہیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے ان کی حفاظت اور نگہداشت کریں۔ اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی جرم سرزد ہو جائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۵۴)۔

(مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم [کے ارتکاب] کی باعث نہ ہو، کہ [معاملات میں] انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ انصاف پرہیز گاری سے قریب تر ہے)۔

قانونی عدل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"کسی بھی نظام حکومت کا چلنا اس کے دو وظائف کے صحیح طور پر انجام پانے پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ اس کا دفاع مضبوط رہے، دوسرے یہ کہ اس کا عدالتی نظام ٹھیک طریق سے کام کرتا رہے اور اس کے قوانین نافذ ہوتے رہیں۔ پہلا وظیفہ بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لیے ہے اور دوسرا وظیفہ اندرونی مفاسد کی روک تھام کے لیے ہے(۵۵)۔

اسلامی حکومت کا اہم مقصد جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے، وہ عدل وانصاف کا قیام ہے، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَاتَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾(۵۶)۔

(اے داؤد! ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے)۔

حافظ ابن قیم دین الٰہی کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان مقصودہ اقامة العدل بین عبادہ وقیام النّاس بالقسط"(۵۷)۔

(اللہ تعالیٰ کے دین کا مقصد یہی ہے کہ اس کے بندوں کے درمیان انصاف قائم کیا جائے اور لوگ انصاف پر قائم رہیں)۔

عدل اور انصاف کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہ ریاست کا فریضہ ہے کہ حقیقی انصاف قائم کرنے میں عامۃ الناس کی مدد کرے اور ریاست اپنے وسائل و مقدور کی حد تک عدل وانصاف کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ قرآن مجید کی رو سے شریعتوں، آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی بعثت کا سب سے بڑا اور اہم مقصد یہ تھا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کو خاص طور پر صاحب اقتدار انبیاء علیہم السلام کو حکومت بھی عطا فرمائی اور واضح طور پر حکم دیا کہ وہ عدل وانصاف کو اپنا فریضہ سمجھیں۔ جس طرح ایک نبی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عدل کی فراہمی کو یقینی بنائے اسی طرح نبی کے جانشینوں کی بھی یہی ذمہ داری بنتی ہے۔ ہر مسلمان حکمران بحیثیت امتی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داریاں انسانوں کے دنیاوی معاملات کی حد تک رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائیں وہ ساری ذمہ داریاں مسلمان حکمرانوں اور فرمانرواؤں کو پوری کرنی ہیں اور انجام دینی ہیں۔ اگر وہ عدل وانصاف سے کام نہیں لیں گے، تو ان کی حکومت قائم نہیں رہے گی(۵۸)۔

رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ عدلیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی غیر جانبداری تھی۔ وہ بے رو رعایت انصاف کے بنیادی اصولوں کی پابند تھی اور سختی سے قانون کی عملداری قائم کر رکھی تھی۔ کسی شخص کا سماجی، سیاسی یا مذہبی مرتبہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہوتا مدینہ کے نظام عدل پر کبھی اثر انداز نہیں ہوا۔ حدیث کی کتابیں ان مثالوں سے بھری پڑی ہیں، لیکن یہاں چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ قریش مخزون کی عورت کے متعلق متفکر تھے جس نے چوری کی تھی۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کون بات کرے گا۔ انہوں نے کہا کون ہمت کر سکتا ہے سوائے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے جو رسول اللہ ﷺ کے منظور نظر ہیں۔ اسامہ نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے بات کی رسول

اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ! کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزا میں مداخلت کرتے ہو۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور خطاب فرمایا:

"یٰاَیُّھا النّاسُ! اِنّما ضَلَّ منْ قبلکُمْ اِنَّھُمْ کانُوا اِذاسَرَقَ الشّریفُ ترکُوہ واِذا سرق الضّعیفُ فیھم اقامُوا علیہ الحدّ وایمُ اللّٰہ لوانّ فاطمۃ بنت مُحمّدٍ سرقتْ لقطع مُحمّد یدھا"(۵۹)۔

(اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں سے بڑے سماجی مرتبے والا کوئی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد نافذ کرتے، خدا کی قسم ! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو محمد ﷺ اس کا ہاتھ کاٹ دیتا)۔

۲۔ طائف کے محاصرہ پر جس رئیس (حضرت صخر رضی اللہ عنہ) نے طائف کی حصار بندی کی تھی۔ اس نے طائف والوں کو اتنا دبایا کہ وہ عاجز آ کر مصالحت پر اتر آئے۔ ان کا یہ کارنامہ عہد نبوی کے اہم کارناموں میں سے ایک ہے۔ اس اعتبار سے وہ خصوصی اعزاز کے مستحق تھے، لیکن ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حاکم صخر رضی اللہ عنہ کے خلاف حضور ﷺ کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ اس نے ہمارے چشمہ پر ناجائز قبضہ جما لیا ہے۔ نیز میری پھوپھی کو بھی بند کر رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت صخر رضی اللہ عنہ کو بلا کر جواب طلب کیا اور کوئی معقول وجہ نہ پا کر اس کی پھوپھی کو واپس کر دیا اور چشمہ بھی واپس لوٹا دیا، حالانکہ صخر رضی اللہ عنہ نے یہ دو اشیاء اس وقت قبضہ میں کی تھیں جب کہ اہل طائف ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے دونوں فیصلے اگرچہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوئے مگر انہوں نے بغیر کسی تذبذب کے دونوں کو قبول کر لیا، مگر جب انہوں نے دونوں فیصلے قبول کر لیے تو شرم کی وجہ سے آنحضور ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا، راوی کے الفاظ یہ ہیں:

"وجہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتغیر عند ذلک حمرۃ حیاء من اخذہ الجاریۃ واخذہ الماء"(۶۰)۔

(صخر رضی اللہ عنہ سے ان کی باندی واپس لینے کی اور پانی پر سے ان کا قبضہ ختم کرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر شرم کی وجہ سے سرخی آ گئی)۔

کیونکہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ اپنی سابقہ خدمات کی وجہ سے خصوصی رعایت اور امتیازی سلوک کے مستحق تھے، نہ کہ مقدمات میں مسلسل ان کے خلاف فیصلہ کیا جاتا۔ آپ ﷺ نے اس بنا پر شرم محسوس کی کہ وہ اسلامی حکومت کے لیے اس قدر اہم خدمت انجام دینے کے باوجود کسی اعزاز سے نوازے نہ جا سکے۔ الٹا انہیں اپنے خلاف دو فیصلوں کو قبول کرنا پڑا۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت لوگ حکومت

کے خلاف بھی بڑے بڑے سرداروں، رئیسوں اور حاکموں پر دعویٰ دائر کر دیا کرتے تھے، کیونکہ انہیں عدالت سے یہ توقع ہوتی تھی کہ وہاں ضرور انصاف ہوگا اور حق بہ حقدار رسید والا معاملہ ہوگا۔

۳۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھیں، عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی لینے گئے، عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر دیا اور لاش گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور استغاثہ دائر کیا، آپ ﷺ نے اس سے قسم کھانے کو کہا کہ عبداللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے، محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا تو یہودیوں سے حلف لیا جائے، محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے۔ خیبر میں یہودیوں کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ انہوں نے ہی عبداللہ کو قتل کیا ہوگا۔ لیکن عینی شاہد نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں کوئی سزا نہ دی اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے (۶۱)۔

۴۔ دار قطنی نے ایک قافلہ سے حضور ﷺ کے سرخ اونٹ لینے والا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی روایت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ دوسرے دن اس قافلے کے لوگ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، تو آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ طارق محاربی کہتے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا یارسول اللہ! یہ لوگ قبیلہ بنوثعلبہ سے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا، اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''الا یُجنیٰ والدٌ علی ولدہ''(۶۲)۔

(باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا)

۵۔ اس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے، اپنی مقدمات آپ ﷺ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ اسلام سے قبل یہودیان بنونضیر اور بنوقریظہ میں عزت وشرافت کی عجیب وغریب حد قائم تھی، کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا، لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔ عہد اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، تو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وانْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بالقسطِ﴾(۶۳)۔

(یعنی اگر تو کافروں کا فیصلہ کرے تو انصاف سے کر، اور انصاف یہ ہے کہ جان کے بدلے جان لی جائے)۔

۶۔ عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگوں کا گرد وپیش ہجوم تھا۔ ایک شخص آکر منہ کے بل

آپ ﷺ پر لد گیا۔ دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی، آپ ﷺ نے اس سے اس کو ٹہوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ پر لگ گیا اور خراش آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے انتقام لے لو۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں نے معاف کر دیا(۶۴)۔ اسی طرح اس دنیا سے پردہ فرمانے سے قبل آنحضرت ﷺ نے متعدد بار مجمع عام میں یہ اعلان فرمایا کہ اگر کسی کا کوئی حق یا رقم وغیرہ میرے ذمہ ہے تو وہ حاصل کر لے یا معاف کر دے۔ اس کے جواب میں صرف ایک شخص نے محض چند درہموں کا ذکر کیا، جس کی ادائیگی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، جنہوں نے فوراً ادائیگی کر دی(۶۵)۔

مذکورہ بالا واقعات اور رسول اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے عدل وانصاف کا درس ملتا ہے۔ اس درس میں ہمیں اپنی زندگیوں کا خود احتسابی کی نظر سے جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہاں تک اس درس پر عمل پیرا ہیں۔ جس کسی کا بھی کوئی حق ہماری ذات سے وابستہ ہے، اسے دیانت داری سے مکمل طور پر ادا کرنا بھی عدل ہی ہے۔ اس انسانی بستی میں بسنے والا وہ کون سا شخص ہوگا جس کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو یا جس کی ذات سے کسی کے بھی حقوق وابستہ نہ ہوں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الا کُلُکُم راعٍ و کُلُکُم مسئوْلٌ عن رعیته (۶۶)۔

(تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ چونکہ معاشرے کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر ذمہ دار اور نگہبان ہے اور اس کے ذمہ کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، اس لیے اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے اوپر عائد شدہ حقوق کو بطریق احسن ادا کرے، اور یہ عدل اجتماعی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر آپ ﷺ عدل وانصاف کرنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے عدل وانصاف کرنے والوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، ارشاد ہے:

"الّذِیْن یعدِ لُوْن فی حُکْمِهم واٴهلیهم وماوَلُوْا"(۶۷)۔

(جو لوگ فیصلہ کرنے، اپنے گھر والوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں (انصاف) کرتے ہیں)۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں کہ:

(انصاف کچھ اس میں منحصر نہیں کہ آدمی کا کہیں کا حاکم یا قاضی ہو، بلکہ یتیموں، اپنے بچوں اور بیبیوں اور کنبے والوں میں بھی انصاف کرنا چاہیے اور ہر ایک کے حقوق موافق شریعت کے ادا کرنا چاہیے)(۶۸)۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اسلام ہر شعبہ زندگی میں عدل و انصاف کے التزام کو ضروری اور لازمی قرار دیتا ہے۔ عدل وانصاف کے بنیادی اصول وضوابط قرآن وسنت نے فراہم کر دیے ہیں جن کو ملحوظ رکھنا نجی و اجتماعی زندگی میں اعتدال وخوبصورتی اور امن وسکون کا باعث ہے۔

حوالہ جات

۱. ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، دارصادر، ۱۱/۴۳۰.

۲. الاصفہانی، ابی القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب معجم مفردات الفاظ القرآن، کراچی، امیرمحمد کتب خانہ، ۳۳۶/۲.

۳. رازی، محمدبن عمر بن حسین، فخرالدین، مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر، دارالطباعة العامرہ، ص:۵/۵۰۹.

۴. ابن العربی، ابوبکرمحمد بن عبداللّٰہ، احکام القرآن، بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۷۲ء، ۳/۱۱۷۲.

۵. القرطبی، ابی عبداللّٰہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دارالکتاب العربی، ۱۹۶۷ء، ۱۰:۱۶۶.

۶. الشوریٰ ۴۲:۱۵.

۷. الاعراف ۷:۲۹.

۸. معجم مفردات الفاظ القرآن، ص ۳۲۶.

۹. مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلة والادب،باب تحریم الظلم.

۱۰. ایضاً.

۱۱. ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابوالفداء اسمعیل، البدایہ والنہایہ، مصر، مطبعة السعادہ، ۷:۳۹.

۱۲. بخاری، ابوعبداللّٰہ، محمدبن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح.

۱۳. الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادة.

۱۴. الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، السنن، ابواب التفسیر، تفسیرسورت الحجرات.

۱۵. محمد بن سلیمان الفاسی، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، کتاب المناسک،باب التکبیر فی ایام التشریق.....

۱۶. الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب،باب ما ینتہی عن التحاسد والتدابر.

۱۷. رواہ البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰة المصابیح للخطیب التبریزی، کتاب الادب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق.

۱۸. راماکرشناراؤ،محمد ﷺ پیغمبراسلام (اردوترجمہ، محمدایوب منیر) لاہور، منشورات، ۲۰۰۴ء، ص۸،۹.

۱۹. ایضاً، ص ۹.

۲۰. الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب الغزوة الخندق ...

۲۱. محمد سعیدرمضان البوطی، فقه السیرة النبویة، دمش، دارالفکر، ۲۰۱۰ء، ص۲۱۸-۲۱۹.

۲۲. ابن هشام، ابومحمد عبدالملک، السیرة النبویة، کوئٹه، مکتبه معروفیه، ۲۰۱۰ء، ۱/۳۰۰-۳۰۲.

۲۳. محمدالغزالی، فقه السیرة، الاسکندریة، دارالدعوة، ۲۰۰۸ء، ص۱۶۳.

۲۴. محد سعیدرمضان البوطی، فقه السیرة النبویة، ص ۱۴۸.

۲۵. محمد بن اسحق بن یسار، کتاب المبتداء والمبعث والمغازی (سیرة ابن اسحق، تحقیق محمدحمیدالله)، نقوش، رسول ﷺ نمبر، لاهور، اداره فروغ اردو، ج ۱۱، ص۳۰۳.۳۰۵.

۲۶. النساء، ۴:۳.

۲۷. ابوداود، سلیمان بن الاشعث السجستانی،السنن، کتاب النکاح باب فی القسم بین النسآء.

۲۸. النساء، ۴:۱۲۷.

۲۹. ابن ماجه، ابوعبدالله، محمدبن یزید القزوینی، السنن، کتاب الادب، باب حق الیتیم.

۳۰. الانبیاء، ۲۱:۴۷.

۳۱. احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، المسند،بیروت، دارالفکر،۶/۲۸۰، ۲۸۱.

۳۲. الحشر ۵۹:۷.

۳۳. الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الزکوٰة، باب اخذ الصدقة من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا.

۳۴. الذاریٰت، ۵۱:۱۹.

۳۵. السنن لابی داوٗد،کتاب الفرائض، باب فی المیراث العصبة.

۳۶. السنن لابن ماجه، ابواب التجارات، باب الحکرة والجلب.

۳۷. ایضا.

۳۸. ایضاً.

۳۹. الخطیب، ولی الدین محمد بن عبدالله، مشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار.

۴۰. السنن للترمذی، ابواب النکاح، باب ماجآء لانکاح الا بولی.

۴۱. الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوٰة والخطبة.

۴۲. السنن للترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجآء فی الرعیة.

۴۳. الجامع الصحیح للبخاری، کتاب النفقات، باب اذلم ینفق الرجل فللمرأة ان تاخذ غیر علمه مایکفیها.

۴۴. الجامع الصحیح للبخاری، باب لایشبع دون جاره.

۴۵. السنن للترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجآء علی الارملة والیتیم.

۴۶. الانعام ۶: ۵۲.

۴۷. المطففین، ۸۳: ۱-۳.

۴۸. طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دارالمعرفه، ۱۹۷۲ء، ص: ۳۰/۵۸.

۴۹. النسائی، عبدالرحمن احمد بن شعیب، المجتبیٰ من السنن، کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن.

۵۰. السنن للترمذی، ابواب البیوع، باب ماجآء فی المکیال والمیزان.

۵۱. الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشا فلیس منّا.

۵۲. ابن تیمیه، تقی الدین احمد، اسلام کانظام حسبه، اردوترجمه الحسبه فی الاسلام ، اسلام آباد، شریعه اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص :۸۳.

۵۳. ایضاً،ص: ۸۲ .

۵۴. المائده، ۵: ۸.

۵۵. نعیم صدیقی، محسن انسانیت، لاهور،الفیصل، ۲۰۰۸ء، ص: ۳۳۲.

۵۶. سورة ص، ۳۸/ ۲۶.

۵۷. ابن القیم الجوزیة، محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، پشاور، مکتبه فاروقیه، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۱.

۵۸. محموداحمد غازی، محاضرات معیشت وتجارت، لاهور، الفیصل، ۲۰۱۰ء، ص:۳۲.

۵۹. الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الحدود، باب الکراهة الشفاعة فی الحداذا رُفع الی السّلطان .

۶۰. السنن لأبی داود، کتاب الخراج والفئی والأمارة، باب فی اقطاع الارضین.

۶۱. الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الدیات، باب القسامة .

۶۲. الدارقطنی، علی بن محمد بن مهدی، السنن، کتاب البیوع، ص:۳/۴۵.

۶۳. السنن لابی داود، کتاب الدیات، باب النفس بالنفس.

۶۴. السنن لابی داود، کتاب الدیات، باب القود من الضربة وقص الامیر من نفسه .

۶۵. ابن کثیر، ابوالفداء اسمعیل، السیرة النبویة، القاهره، عیسی البابی الحلبی، ۱۹۶۶ء،ص: ۴/۴۵۷.

۶۶. الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامیر العادل وعقوبة الجائر .

۶۷. ایضاً.

۶۸. النووی، محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف، المنهاج فی شرح مسلم بن الحجاج، کابل، نعمانی کتب خانه، ۱۳۷۶هـ، ص: ۲/۱۲۱ .